Exegetical Improvements (*Istidrākāt*) by the Interpreters of the Qur'ān: A Study of *al-Tafsīr al-Kabīr*, *Rūḥ al-Ma'ānī*, and *Tibyān al-Qur'ān*

Najam ud Din Kokab Hashmi[۞]

ABSTRACT

Exegetical improvement (*istidrāk*) is an important dimension in the *tafsīrī* literature. *Istidrāk*, in this context, is a process in which an interpreter of the Qur'ān attempts to rectify, emend, or supplement the opinion of another interpreter if the former disagrees with the latter on some exegetical viewpoint. This article studies the exegetical improvements (*istidrākāt*) of Shihāb al-Dīn Maḥmūd al-Ālūsī in *Rūḥ al-Ma'ānī* and Ghulām Rasūl Sa'īdī in *Tibyān al-Qur'ān* on Fakhr al-Dīn al-Rāzī's *al-Tafsīr al-Kabīr*. The article demonstrates with examples that, in their exegeses of the Qur'ān, Shihāb al-Dīn al-Ālūsī and Ghulām Rasūl Sa'īdī disagreed, at various places, with Fakhr al-Dīn al-Rāzī on his exegetical viewpoints.

۞ PhD Scholar, Department of Tafseer and Quranic Studies, Faculty of Islamic Studies (Usuluddin), International Islamic University, Islamabad. (hashmi092@gmail.com)

مفسرین کے استدراکات:
تفسیر کبیر، روح المعانی اور تبیان القرآن کی روشنی میں

نجم الدین کوکب ہاشمی ۞

موضوع کا تعارف

قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور اس کی تفسیر و تشریح کرنا، آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے تھا۔[1] آپ ﷺ کے بعد اصحاب رسول ﷺ، قرآن فہمی میں ایک دوسرے کے ممد و معاون تھے۔ جب قرآن عربوں سے نکل کر عجمیوں میں آیا تو قرآن فہمی کے مسائل پیدا ہوئے، اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہر زمانے اور علاقے میں کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جو اس زمانے اور علاقے کے لوگوں کی ضروریات اور مشکلات کو سامنے رکھ کر قرآن کی تشریح و تفسیر کرتے، اس طرح مختلف تفسیری مدارس، کتب اور اقوال معرض وجود میں آئے۔

قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اس لیے اگر قرآن فہمی میں کہیں کوئی اشکال پیدا ہوتا یا کوئی مفسر روایت سے ہٹ کر اس کی تشریح کرنے کی کوشش کرتا جو قرآن یا دین کے عمومی مزاج کے خلاف ہوتی یا علمی لحاظ سے کوئی بات کم زور ہوتی تو متأخرین ، ان تفسیری اشکالات کو دلائل کے ساتھ رفع کرتے اور کمی کو پورا کرتے۔ اسی کو استدراک کا نام دیا گیا۔ یہ سلسلہ آج تک بدستور قائم ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ تفسیر **مفاتیح الغیب** پر استدراکات ہیں۔ زیر نظر مقالے میں مذکورہ بالا مفسرین کے استدراکات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۞ پی ایچ ڈی اسکالر، قسم التفسیر و علوم القرآن، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز (کلیہ اصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ (hashmi092@gmail.com)

۱- ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (القرآن ۱۶: ۴۴۔)

مقالے کا منہج

اس مقالے میں تحقیق کا منہج وصفی اور تحلیلی ہو گا۔ راقم آیات قرآن کے تحت، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اور ان کے دلائل کا مطالعہ کرے گا پھر مستدرک علیہ مسئلہ یا قول کا تجزیہ دلائل و براہین اور مفسرین کی آرا کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا اور آخر میں تطبیق، ترجیح یا تصویب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے گا۔

مقالہ ہذا دو حصوں پر مشتمل ہے؛ پہلے حصے میں اختصار کے ساتھ ان تینوں مفسرین کے احوال، ان کی خدمات اور ان کے تفسیری مناہج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بعد ازاں استدراک کا مفہوم اور مفسرین کے امام رازیؒ پر استدراکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

آپ کا پورا نام علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین تھا۔ ۵۴۲ھ یا ۵۴۳ھ کو ایران کے شہر تہران میں پیدا ہوئے۔[۲] جہاں آپ کے والد ضیاء الدین عمر خطیب تھے۔ اس لیے آپ ابن الخطیب بھی کہلاتے ہیں۔ شافعی اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے نام ور عالم، معقول و منقول کے ماہر، طبیب حاذق، متکلم اور فقیہ تھے۔[۳]

۱۱۹۰ء میں غزنی اور پنجاب کا دورہ کیا۔ پھر ہرات میں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک مدرسے میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے تدریس میں مصروف ہو گئے۔ سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ آپ کا سرپرست تھا۔ آپؒ نے علوم دین فلسفیانہ پیرائے میں پیش کیے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فضل وکمال کے اس مقام پر پہنچے کہ ان کے معاصرین میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فقہ، علوم لغت، منطق اور مذاہب کلامیہ کے جاننے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کا شہرہ دور دراز تک جا پہنچا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس میں گزار دی۔[۴] زندگی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق گزارنے کے بعد یکم شوال (عید الفطر) بروز پیر ۶۰۶ھ

۲۔ محمد بن احمد شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ)، **العبر في خبر من غبر** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۵ء)، ۳: ۱۴۲۔

۳۔ الذہبی، **میزان الاعتدال** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۵ء)، ۵: ۴۱۱۔

۴۔ الذہبی، **تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام** (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۹۹۷ء)، ۴۳: ۲۱۳۔

کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۵)

تفسیر کبیر کا مقام و منہج

تفسیر کا اصل نام **مفاتیح الغیب** (غیب کی چابیاں) ہے، البتہ **تفسیر کبیر** کے نام سے مشہور ہے۔جو ۱۶/ بڑی جلدوں(۳۲/اجزا) پر مشتمل ہے۔ تفسیر بالرائے میں انتہائی جامع اور بے مثال تفسیر ہے جس کی تصنیف امام رازی نے شروع کی، لیکن اس کی تکمیل سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں اس کی تکمیل، حاجی خلیفہ کی رائے کے مطابق شیخ نجم الدین القمولی نے کی اور اس میں جو کمی تھی اسے قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقی (۶) نے پورا کیا، اور ابن حجر کی رائے کے مطابق تکمیل صرف شیخ نجم الدین القمولی نے کی۔ (۷)

بعض علما نے اس تفسیر پر نقد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے: "فِيه كُلُّ شَيءٍ إِلاَّ التَّفْسِيْرُ" (اس کتاب میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔) (۸) جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ تفسیر کے ساتھ ساتھ اکثر علوم

۵- ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ)، **البداية والنهاية**، ت، علی شیری (بیروت : دار إحياء التراث العربي، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء)، ۱۳: ۴۷-۴۹؛ عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، **طبقات المفسرين**، ت، علی محمد عمر (قاہرہ: مکتبة وهبة، ۱۳۹۶ھ) ، ۱۰۰؛ تاج الدین عبد الوهاب بن تقی الدین السبکی (م ۷۷۱ھ)، **طبقات الشافعية الكبرى**، ت، د۔ حمود محمد الطناحی و د. عبد الفتاح محمد الحلو(هجر للطباعة والنشر والتوزيع، ۱۴۱۳ھ)، ۸: ۸۱-۹۱؛ ابو العباس احمد بن محمد ابن خلکان (م ۶۸۱ھ)، **وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان**، ت، احسان عباس (بیروت: دار صادر، ۱۹۷۱ء)، ۴: ۲۴۸۔

۶- مصطفی بن عبد اللہ کاتب جلبی القسطنطینی، المشہور حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) ، **كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**، (بغداد: مكتبة المثنى، ۱۹۴۱ء)، ۲: ۱۷۵۶۔

۷- ابو الفضل احمد بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)، **الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة**، ت، مراقبہ / محمد عبد المعید ضان (حیدر آباد الہند: مجلس دائرة المعارف العثمانية، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء)، ۱: ۳۶۰؛ http://www.al-mawrid.org/index.php/articles_urdu/view/tafsir-e-kabir-ka-taaruf.

۸- ابو حیان محمد بن یوسف بن حیان اثیر الدین الاندلسی (م ۷۴۵ھ)، **البحر المحيط في التفسير**، ت، صدقی محمد جمیل، (بیروت: دار الفكر، ۱۴۲۰ھ)، ۱: ۵۴۷؛ محمد بن علی بن احمد، شمس الدین الداوودی المالکی (م ۹۴۵ھ)، **طبقات المفسرين** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)، ۱: ۲۱۵؛ ابن حجر، **لسان الميزان** (بیروت: مؤسسة

اسلامی کا جامع دائرۃ المعارف بھی ہے۔

درج ذیل نکات سے ہم امام رازی کے منہج تفسیر کو سمجھنے کی کوشش کریں گے:

۱- آیت کی تفسیر، نحوی ترکیب، وجوہ بلاغت اور شان نزول سے متعلق سلف کے تمام اقوال نہایت مرتب اور منضبط انداز میں پوری شرح ووضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

۲- آیت سے متعلق فقہی احکام کا ذکر تفصیلی دلائل سے کرتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳- مخالف کے استدلال کو پوری قوت سے پیش کرتے ہیں لیکن بعض اوقات اہل سنت کے موقف کی ترجمانی کم زور رہ جاتی ہے۔ چناں چہ مغرب کے بعض علما نے کہا کہ ان کے اعتراضات نقد ہوتے ہیں اور جواب ادھار۔[۹] بلکہ مخالف کے استدلال کو اس عمدگی سے پیش کرتے ہیں کہ اگر مخالف خود بھی چاہے تو اس سے اچھے طریقے سے پیش نہ کر سکے گا۔[۱۰]

۴- اقوال کو ترجیح دیتے ہوئے حدیث صحیح، عقل سلیم، حقیقی معنی اور نحوی تراکیب میں سے بہترین قول کو اولیت دیتے ہیں۔[۱۱]

۵- امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نظم قرآن کے قائل ہیں اور اپنی تفسیر میں آیات اور سورتوں کا باہمی ربط نہایت اہتمام سے بیان کرتے ہیں۔[۱۲]

۶- اسلامی عقائد کا دفاع بڑی حمیت اور جوش سے کرتے ہیں، اس سلسلے میں معذرت خواہانہ رویے کی بھی مذمت کرتے ہیں۔[۱۳]

العلمية للمطبوعات، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء)،۴: ۴۲۶؛ غلام احمد حریری، **تاریخ تفسیر و مفسرین**، (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز، ۱۹۹۹ء)، ۲۶۳۔

۹- نفس مرجع،۱: ۲۹۵۔

۱۰- ابو عبد الله، محمد بن عمر، الرازي المعروف بفخر الدين (م: ۶۰۶ھ)، **التفسير الكبير (مفاتيح الغيب)** (بيروت: دارإحياء التراث العربي،۱۴۲۰ھ)،۲۱: ۲۷۔

۱۱- محمد السيد حسين الذہبی (م ۱۳۹۸ھ)، **التفسير والمفسرون** (قاہرہ: مكتبة وهبة،۲۰۰۰ء)، ۱: ۲۸۱؛ الرازی، **التفسير الكبير**،۲۱: ۲۷۔

۱۲- محمد تقی عثمانی، **علوم القران** (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، ۱۴۱۵ھ)،۵۰۴۔

۱۳- الرازی، **التفسیرالکبیر**،۲۵: ۲۴۷۔

۷- ایسی آیات جن میں عقل سے ماورا حقائق کا اظہار کیا گیا ہو ، عام طریقے سے ان کی تفسیر کرنے کے بعد ان کی فلسفیانہ تعبیر بھی پیش کرتے ہیں۔

۸- آپ بہت سے مقامات پر شرعی احکام کے اسرار اور ان کی حکمتیں فلسفیانہ انداز میں بھی زیر بحث لاتے ہیں۔

۹- اسرائیلی روایات نقل کرنے کے بعد ان پر حکم لگاتے ہیں۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

عظیم مفسر، محدث، فقیہ، شاعر اور ادیب ابو الثنا شہاب الدین محمود بن عبد اللہ حسینی آلوسی[۱۴] بغداد میں ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے طویل عمر تحصیل علم میں گزاری، مختلف علوم و فنون کو بڑی دل جمعی سے جمع کیا اور اپنے دور کے سب سے بڑے عالم اور علماے عراق کے شیخ قرار پائے۔ حصول تعلیم کے بعد تیرہ برس کی عمر سے تعلیم و تدریس کا باقائدہ سلسلہ شروع کیا۔ علم و فضل میں کمال کے باعث دوردراز سے طالبان علم آپ کی طرف کھنچے چلے آتے اورایک حلقہ سا ہر وقت آپ کے دائیں بائیں رہتا تھا۔ فقہ و اصول فقہ، تفسیر، حدیث، علم ہیئت اور صرف ونحو پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ منطق، علم الکلام اور لغت کے فن میں بھی آپؒ اپنے زمانے کی امامت کے منصب پر فائز تھے۔ آپؒ کی زندگی کا زیادہ عرصہ تالیف و تدریس میں گزرا۔ مشہور تفسیر **روح المعاني** پندرہ سال میں تحریر کی[۱۵] جو آپؒ کی شہرتِ دوام کی وجہ بنی۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قدرت کی طرف سے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے: "میں نے اپنے ذہن کو کوئی ایسی امانت سپرد نہیں کی جس میں اس نے خیانت کی ہو اور نہ ہی اپنی قوت فکر و تدبر کو کسی مشکل کے لیے بلایا اور اس نے میری عقدہ کشائی نہ کی ہو"[۱۶] عقیدہ میں اشعری تھے،

۱۴- " آلوس" اس گاؤں کا نام ہے جس میں آپ کی پیدائش ہوئی جو بغداد اور ملک شام کے درمیان واقع تھا۔

۱۵- عبد الرزاق بن حسن، الدمشقی (م ۱۳۳۵ھ)، **حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر**، ت، محمد بهجة البيطار، (بيروت : دار صادر، ۱۴۱۳ ھ/۱۹۹۳ ء)، ۱۴۵۴۔

۱۶- شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الآلوسی (م ۱۲۷۰ھ)، **روح المعاني في تفسير القران العظيم والسبع المثاني**، خطبہ مصنف، ت، علی عبد الباری عطیہ (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ)، ۱: ۵۔

جس کا اظہار و اقرار مقدمہ تفسیر میں کیاہے، البتہ تفسیر میں کئی مقامات پر اشاعرہ کا رد بھی کیا ہے۔

آپ شافعی المسلک تھے لیکن اکثر معاملات میں احناف کی رائے کو بھی قبول کرلیتے تھے جب کہ آخری عمر میں آپ کا جھکاؤ اجتہاد کی طرف زیادہ ہو گیا تھا؛تاہم بغداد میں حکومت کی طرف سے آپ احناف کے منصب افتا پر فائز کیے گئے تو اکثر حنفی فقہ کے مطابق فتوی دیتے تھے۔طبع علمی کے باعث یہ منصب آپ کے مزاج کے موافق نہ تھا ۔آپ خود لکھتے ہیں : " میں نے ۱۲۶۳ھ میں اپنے عہدے سے استعفی دیااور قرآن پاک کی تفسیر میں مشغول ہوگیا۔[۱۷]

۲۵/ذوالقعدہ۱۲۷۰ھ کو آپ خالق حقیقی سے جا ملے اس طرح کم و بیش ستاون برس کی کل عمر پائی۔بغداد ہی کے تاریخی محلہ "کرخ" کے مقامی قبرستان میں مدفون ہوئے۔[۱۸]

روح المعاني میں امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب اور منہج

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کو بلاتامل گذشتہ بہترین تفاسیر کا خلاصہ کہاجاسکتاہے۔مؤلف امام ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ، امام کشاف رحمۃ اللہ علیہ، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفاسیر سے اقوال نقل کرنے کے بعد ان پر آزادانہ بحث کرتے ہیں اورآخر میں اپنی رائے کے ساتھ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔مفسرین کا ذکر کرتے ہوئے ان کے احترام کو بھی ملحوظ خاطر رکھاہے؛ چناں چہ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی اور فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کوامام اورمولاناکے عزت مآب القابات سے یاد کرتے ہیں۔ آپؒ کے اسلوب تفسیر کو سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات سے مدد لی جاسکتی ہے:

- ایسی آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے احکامات بیان فرمائے ہیں ان کی تفسیر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اکابر فقہا کی آرا اور ان کاموقف پیش کر کے اس کے حق میں یااس کے خلاف دلائل کے ساتھ بحث کرتے ہیں اور آخر میں اپناموقف پیش کرتے ہیں۔
- امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روایت حدیث میں بھی دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط رہے ہیں اور جرح ونقد کے بعد زیادہ تر صحیح روایات کا اہتمام کرتے ہیں۔

۱۷- نفس مصدر۔

۱۸- خیر الدین بن محمودالزرکلی الدمشقی (المتوفی: ۱۳۹۶ھ)،**الأعلام** (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء)، ۷: ۱۷۶-۱۷۷۔

- آیات احکام کی تفسیر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جھکاؤ شوافع کی طرف رہتا ہے اور کبھی کبھی احناف کے موقف کی بھی تائید کرتے ہیں اور بہت کم مواقع پر آپؒ نے اپنا جداگانہ موقف اختیار کیا ہے۔
- اسرائیلیات سے آپ رحمۃ اللہ علیہ حتی الوسع پرہیز کرتے ہیں۔
- امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کو چوں کہ علم ہیئت پر بھی عبور حاصل تھا؛ اس لیے قرآن مجید میں جہاں کہیں اجسام فلکی اوراسرارکائنات کا ذکر آتا ہے اس کی مکمل تحقیقات و مشاہدات کو بیان کرتے ہیں۔
- امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری اقوال؛ صرف و نحو اور لغت کی بحثوں سے بھرے پڑے ہیں۔
- امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات کے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی حسن پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ کہیں کہیں تو اس تفصیل کے ساتھ وہ قرآن مجید کے باطن میں ڈوب جاتے ہیں کہ ان کے عالم ہونے کی بجائے صوفی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

مفسر قرآن، شارح صحیحین ،شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ، ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۴/نومبر ۱۹۳۷ "دہلی" میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں پر حاصل کی۔قیام پاکستان کے موقع پر ہجرت فرمائی اور ۱۹۴۷ میں کراچی تشریف لے آئے۔کراچی آنے کے بعد، پہلے جامعہ محمودیہ رضویہ (رحیم یار خان)پھر جامعہ نعیمیہ (لاہور)سے علم حاصل کیا ،اس کے بعد حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے معقول و منقول کی کئی کتابیں اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب **مشکوۃ المصابیح** پڑھی۔اس کے علاوہ آپ نے وقت کے جید ترین اساتذہ ومشائخ سے اکتساب فیض کیا ہے۔ان میں سے چند مشہور مشائخ وعلما کے اسمائے گرامی یہ ہیں: علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد نواز اویسی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ،مولانا عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عزیز احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ولی النبی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا مفتی مختار احمد رحمۃ اللہ علیہ۔

کراچی کے مشہور مدرسے دارالعلوم نعیمیہ میں مسلسل بتیس سال شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف مدارس میں تدریس کی خدمات پچاس سال پر محیط ہیں۔اُن کی

خدمات کے اعتراف میں حکومت نے ۲۰۱۴ء میں انھیں تمغۂ امتیاز سے نوازا۔[۱۹] آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ دنیا بھر میں، بڑے بڑے نامور علما میں شمار ہوتے ہیں۔ اناسی برس کی عمر میں مورخہ ۵ فروری ۲۰۱۶ء کو آپ کا انتقال ہوا اور تدفین جامع مسجد اقصیٰ کراچی کے احاطے میں کی گئی۔

تصانیف

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں تفسیر **تبیان القرآن** (۱۴ مجلدات)، **تفسیر تبیان الفرقان** (۵ مجلدات سورہ یس تک)[۲۰]، **نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری** (۱۶ مجلدات)، شرح صحیح مسلم (۸ مجلدات)، **مقالاتِ سعیدی**، **مقالات کاظمی** (۴ مجلدات)، **توضیح البیان لخزائن العرفان**، **تاریخ نجد و حجاز**، **تذکرۃ المحدثین**، **مقام ولایت و نبوت**، **ذکر بالجہر**، **فاضل بریلوی کا فقہی مقام**، **لفظ خدا کی تحقیق**، **معاشرے کے ناسور**، **حیات استاذ العلما اور نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت** جیسی معرکہ آرا تصانیف شامل ہیں۔

تفسیر تبیان القرآن کا تعارف

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ سالوں کی محنت شاقہ سے بارہ (۱۲) جلدوں پر مشتمل یہ اردو تفسیر عالمانہ انداز میں لکھی ہے اور قدیم و جدید حوالہ جات بھی شامل کیے ہیں۔ یہ تفسیر قرآن پاک کی علمی، فقہی، جامع ومانع اور مبسوط و ضخیم تفسیر ہے جو "فرید بک سٹال" اردو بازار لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔ ہر جلد کے شروع میں مفسر نے اس جلد کے متعلق معلومات از خود فراہم کر دی ہیں۔ جلد اول کے شروع میں مقدمہ نوے (۹۰) صفحات پر مشتمل ہے جس میں تفسیر قرآن کے لیے ضروری علوم کے متعلق جامع بحث کی گئی ہے۔

تفسیر تبیان القرآن کا منہج اور امتیازی خصوصیات

تبیان القرآن کا منہج اور خصوصیات درج ذیل نکات کے ذریعے دیکھے جاسکتے ہیں:

۱۔ ہر سورت کے شروع میں اس سورت کے متعلق ضروری معلومات کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۔ ترجمہ قرآن لفظی نہ ہونے کے باوجود آسان، عام فہم اور بامحاورہ ہے۔

۱۹۔ محمد عاطف اسلم راؤ، **محدث اعظم پاک و ہند** (کراچی: ارتقاء فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، ۲۰۱۶ء)، ۴۵۔

۲۰۔ نفس مرجع، ۲۲۲۔

۳- تفسیر **تبیان القرآن** اردو زبان میں ایک جامع تفسیر بالماثور ہے، جس میں ہر آیت کی تفسیر سے متعلق جتنی آیات اور احادیث ممکن ہو سکیں نقل کی گئی ہیں۔ ہر مسئلے کی تحقیق میں سب سے پہلے آیات قرآنیہ، پھر احادیث صحیحہ و آثار صحابہ و تابعین، پھر مذاہب اربعہ، پھر متقدمین مفسرین کی عبارات سے استدلال کر کے کوئی موقف یا رائے قائم کی ہے۔

۴- تفسیر میں اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے۔

۵- قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے، وہاں تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۶- متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان سے خوب استفادہ کیا ہے۔

۷- علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے **تبیان القرآن** میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے۔[۲۱]

۸- علمی اختلاف کی صورت میں نرم روش اور شائستہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۹- مستند و معتبر قدیم و جدید تفاسیر مثلا **تفسیر طبری، تفسیر امام ابن ابی حاتم، تفسیر مجاهد، تفسیر مقاتل بن سلیمان، تاویلات أهل سنة للماتریدی، تفسیر البغوي، تفسیر القرطبي، تفسیرالکشاف، تفسیر أحکام القرآن للجصاص**، اور بالخصوص **التفسیر الکبیر** سے براہ راست اور بلا واسطہ استفادہ کیا گیا ہے۔[۲۲]

۱۰- جدید مسائل مثلا پوسٹ ماٹم کی شرعی حیثیت، اعضا کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، سود، بیمہ، قطبین میں روزوں اور نماز کی شرعی حیثیت اور اس جیسے بہت سے عصری مسائل پر بالتفصیل تحقیق پیش کی ہے۔

بہر صورت آج کے اردو سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والوں کے مزاج اور ضرورت کے مطابق یہ قرآن کریم کا آسان ترجمہ اور بہترین تفسیر ہے۔

مفسرین کے اس اجمالی تعارف کے بعد ہم اپنے اصل موضوع علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام رسول

۲۱- غلام رسول سعیدی (م۲۰۱۶ء)، **تفسیر تبیان القران** (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء)، ۱: ۳۷۔

۲۲- نفس مصدر، ۱۹۴۔

سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پر استدراکات کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں۔

اسباب اختیار موضوع

استدراکات مفسرین کے مطالعے سے ہم اپنے پیش رو مفسرین کے علوم سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ، علم تفسیر میں ان کے منہج اخذ ورد کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور یہ کہ مفسرین جمود کا شکار ہوئے بغیر، استقرا و استنباط کے مراحل سے گزر کر علم تفسیر کو منتقل کرتے ہیں۔ اس طرح علماے تفسیر کی وسعت علم اور تحقیق کا بھی صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ انداز قرآن کریم کی صوری حفاظت کے ساتھ ساتھ معنوی حفاظت کا بھی باعث بنتا ہے۔ یہ قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ متأخرین اپنے سابقین کی ذرا سی بھی بے احتیاطی اور بے اعتدالی دیکھتے ہیں تو فوراً استدراک کی صورت میں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان استدراکات کی روشنی میں ہم تفسیر میں قواعد ترجیح، غلطی کے اسباب، تفسیر بالرائے، اس کے ضوابط اور علم تفسیر سے متعلق مزید علوم و فنون سے آشنا ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔ استدراکات مفسرین کا مطالعہ ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم اختلاف کے آداب کو سیکھیں کہ مفسرین جب کسی سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کا لب و لہجہ کیسا ہوتا ہے؟ فریق مخالف کے ساتھ کلام کا انداز اور رویہ کیسا ہوتا ہے؟ وغیرہ۔

استدراک کا معنی اور مفہوم

استدراک کی اصل درک ہے اس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دینا یا مل جانا۔[۲۳] اہل عرب کہتے ہیں أدركت الشيء میں نے اس چیز کو پا لیا۔ جب سفر میں پیچھے رہ جانے والے قافلے سے مل جائیں تو کہا جاتا ہے: تدارک القوم۔[۲۴]

ڈاکٹر احمد مختار نے لکھا ہے: "اِسْتَدْرَكَ عَلَيْهِ القَوْلَ: أَصْلَحَ خَطَأَهُ وَأَكْمَلَ نَقْصَهُ"۔[۲۵]

۲۳۔ ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازی (م ۳۹۵ھ)، **معجم مقیاس اللغة**، ت، عبد السلام محمد ہارون (بیروت: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء)، مادۃ: درک، ۲۶۹۔

۲۴۔ نفس مصدر۔

۲۵۔ احمد مختار عبد الحمید عمر (م ۱۴۲۴ھ)، **معجم اللغة العربية المعاصرة** (قاہرہ: عالم الکتب، ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء)، ۱: ۷۴۰۔

استدرك جب قول یا امر کی طرف متعدی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے غلطی کی اصلاح کرنا، کمی کو پورا کرنا یا سابقہ کلام میں پیدا شدہ اشتباہ کو زائل کرنا۔

علامہ جرجانی لکھتے ہیں: "رفع توهُّمٍ تولَّدَ من كلام سابق"۔ سابقہ (مفسرین کے) کلام میں پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا استدراک کہلاتا ہے۔[۲۶]

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ کسی قول، عمل، کسی خلل یا قصور کے علاج، درستی اور اصلاح کرنے کو استدراک کہا جاتا ہے۔ اس سے سابقین کے اقوال کی اصلاح، اکمال اور تصحیح مقصود ہوتی ہے۔

تفسیر میں استدراک کی تاریخ اور ارتقا

استدراک آج کے دور کی اختراع یا ایجاد نہیں، بلکہ سب سے پہلے اصلاح و تصحیح کا کام آپ ﷺ نے خود سر انجام دیا۔ صحابہ کرام جب کسی غلط فہمی کا شکار ہوتے تو آپ ﷺ استدراک کرتے ہوئے ان کی اصلاح فرمایا کرتے۔ آپ ﷺ کے زمانۂ خیر میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ایک دوسرے یا تابعین کی تصویب واصلاح کیا کرتے تھے۔ اس طرح صحابہ کرام، تابعین اور اتباعِ تابعین کے تفسیری استدراکات علمی تراث میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات پر علامہ بدرالدین زرکشی الشافعی (م ۷۹۴ھ) ایک مستقل کتاب **الإجابة لما استدركت عائشة على الصحابة** تحریر کی ہے۔[۲۷]

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے:

میں، اس کتاب میں سیدہ عائشہؓ کے تفردات، آپ کے صحابہ کے ساتھ اختلافات اور استدراکات پیش کروں گا۔ آپ کے استدراکات حدیث رسول ﷺ، اجتہاد کے بعد ذاتی رائے اور علم راسخ کی بنیاد پر ہیں۔[۲۸]

۲۶- علی بن محمد الجرجانی (م ۸۱۶ھ)، **التعريفات** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)، ۲۱۔

۲۷- اس کتاب کی تعلیق اور تخریج، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے محقق ڈاکٹر عصمت اللہ نے کی ہے جو مکتبہ شاملہ میں بھی موجود ہے۔

۲۸- ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الزرکشی الشافعی (م ۷۹۴ھ)، **الإجابة لما استدركت عائشة على الصحابة** (قاہرہ: مكتبة الخان جی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء)، ۴۔

حدیث رسول ﷺ کے متعلق استدراکات پر مشہور کام امام حاکم کی کتاب **المستدرک** کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دیگر استدراکات کی طرح تفاسیر میں بھی استدراکات موجود ہیں۔ علامہ طبری کی تفسیر سے لے کر آلوسی کی **روح المعانی** اور سعیدی کی **تبیان القرآن** تک کی تمام معتبر تفاسیر میں مفسرین اپنے سابقین سے نہ صرف استفادہ کرتے ہیں، بلکہ جہاں کہیں کوئی کمی، زیادتی یا وہم وغیرہ ہو، اسے دور کرنے کے لیے استدراکات بھی کرتے آئے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ استدراک کرنے والا کس درجے کا عالم ہے؟ اور جس کا استدراک کیا جارہا ہے اس کا علمی مقام کیا ہے؟ ہم نے اس مقالے میں امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر، **مفاتیح الغیب**، المشہور بہ تفسیر کبیر پر استدراکات کا مطالعہ کرنا ہے۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراکات میں منہج

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ ، کسی مسئلے کے فہم، کسی قول کی تصویب یا کسی غلطی کے ازالے کے لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہوئے، استدراک قائم کرتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ پھر مصدقہ دلائل اور جمہور کی آرا کے مطابق جملہ اقوال و آرا کا تجزیہ اور مناقشہ کرتے ہوئے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔ البتہ امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے استدراکات، بعض اوقات مجمل ہوتے ہیں جن کی تفصیل عموماً قاری کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اس کی مثال استدراکات کے درج ذیل صیغوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کسی رائے کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولیس بشيء یعنی اس میں کچھ نہیں یا یہ بات درخور اعتنا نہیں۔

وللمناقشة فیه مجال اس میں بات چیت کی گنجائش ہے۔

وهو توهم لا یقتدی به انھیں اس مسئلہ میں وہم ہوا ہے ان کی اقتدا نہیں کی جائے گی۔

وللبحث فیه مجال یعنی اس میں تحقیق کی گنجائش ہے۔

وأمر الفخر لو سلم لیس بالاستدلال کثیر فخر (یعنی اگر رازی کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی دلائل ان کا ساتھ نہیں دیتے۔)

ولا یخفی علی الناظر فانظر ما فیه اس میں غور و فکر کرنے والے پر مخفی نہیں کہ اس میں کیا ہے ذرا غور تو کریں! اس مقام پر کسی اہم غلطی کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

وفيه ما فيه اس میں جو ہے سو ہے! واضح غلطی کی طرف اشارہ ہے۔

وفيه غفلة لا تخفى اس میں ایسی کوتاہی ہے جو مخفی نہیں!

جب کے علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ عموماً ادب کے ساتھ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف پیش کرتے ہیں۔ البتہ جب بات حق سے دور اور جمہور کے موقف کے خلاف ہو، تو دلائل وبراہین کے ساتھ، استدراک کرتے ہوئے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے معافی مانگتے ہوئے صحیح موقف اور نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر پر استدراکات

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں نہ صرف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے بلکہ تفسیر کبیر پر سینکڑوں کی تعداد میں استدراکات بھی کیے ہیں۔ ان میں سے اکثر استدراکات فقہی، کلامی، لغوی اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا آثار صحابہ کے صحیح وضعیف ہونے کے اعتبار سے ہیں۔ ان میں سے صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ۲۹ کے قریب استدراکات ہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا بسم اللہ کے بارے میں موقف، امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر اور دیگر مفسرین کی آرا کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اور دلائل

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بسم اللہ کو قرآن کی مستقل آیت اور سورۂ فاتحہ کا جز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "أن البسملة آية من الفاتحة كما هي آية مستقلة من القرآن." [۲۹]

جیسا کہ بسم اللہ قرآن پاک کی مستقل آیت ہے اسی طرح سورۂ فاتحہ کا جز بھی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

روى الشافعي رضي الله عنه عن مسلم عن ابن جريج عن ابن أبي مليكة عن أم سلمة أنها قالت: قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتحة الكتاب فعد بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ آية، وهذا نص صريح.[۳۰]

۲۹- الرازی، **التفسیر الکبیر**، ۱: ۳۷۔

۳۰- نفس مصدر، ۱: ۷۳۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کو سورت فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بسم اللہ کو نہ تو سورۂ فاتحہ کا جز قرار دیتے ہیں اور نہ ہی اس کو قرآن کریم کی مستقل آیت تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اسے سورہ نمل کی آیت کا حصہ اور جزو تسلیم کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا رد کرتے ہیں اور اپنے اس موقف کا استدلال قوی دلائل و براہین سے کرتے ہیں۔

بسم اللہ کے متعلق علما کے اختلافات و نظریات

مناقشہ اور ترجیح سے پہلے ہم بسم اللہ کے متعلق علماے کرام کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔"بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے قرآن کا جز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ تمام علما کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن میں داخل ہے اور آیت نمل انه من سليمان...کا جزو ہے کیوں کہ قرآن کا ثبوت قطعی ہے، البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ اور دیگر سورتیں جن کی ابتدا میں لکھی جاتی ہے ان کا بھی جز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صرف سورۂ فاتحہ کا جز ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نہ کسی سورت کا جز ہے اور نہ کامل و مستقل آیت ہے، بلکہ صرف سورۂ نمل کی آیت کا جز ہے، جو یہاں بطور تبرک ذکر کی گئی ہے۔[۳۱] چناں چہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: اگر بسم اللہ سورۂ نمل کے علاوہ بھی قرآن کا جز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان فرماتے، اس لیے کہ قرآن تواتر کے ساتھ منقول ہے۔[۳۲] اور ان کا خیال ہے کہ یہ قطعی دلیل ہے، جب کہ احناف کے ہاں " بسم اللہ" کسی سورت کا جز نہیں، بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھی جاتی ہے۔امام ابو بکر الجصّاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو تفصیلی دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[۳۳]

۳۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی (م: ۶۷۱ھ)، **الجامع لأحكام القران** (قاہرہ: دارالکتب المصریة، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء)، ۱: ۹۳۔

۳۲۔ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (م: ۵۹۵ھ)، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد** (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء)، ۲: ۲۱۹۔

۳۳۔ ابو بکر الجصاص الرازی، **احكام القران** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۰۵ھ)، ۱: ۹۔

مناقشہ اور ترجیح

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے وہ قابل استدلال نہیں کہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہما کا حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے سماع بھی ثابت نہیں اور اگر بالفرض ہم عصر ہونے کی وجہ سے سماع ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس روایت کو انھوں نے خود نہیں سنا۔[۳۴] ترمذی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ درمیان سے سند مقطوع ہے۔[۳۵] کیوں کہ ابن ابی مُلیکہ رضی اللہ عنہما نے یعلی بن مملک سے سنا اور انھوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔

اس روایت کے متعدد شواہد ہیں لیکن یہ کثرت اس لیے مفید نہیں کہ ان سب کی اسناد میں محمد بن ہارون بلخی راوی ہے جو علماے جرح وتعدیل کے ہاں قابل استدلال نہیں۔ چناں چہ ابو حاتم رازی لکھتے ہیں: محمد بن هارون البلخی لیس بشیء.[۳۶] امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔[۳۷] امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ شخص کذاب اور خبیث ہے ، اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، علماے حدیث اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔[۳۸] اور اصول یہ ہے کہ وہ روایت جو راوی کے جھوٹ کی بنا پر ضعیف ہو اس کمی کو تعدد طرق سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ متعدد متہم بالکذب راویوں کی روایات سے ضعف میں مزید شدت آتی ہے نہ کہ روایت درجۂ ضعف سے درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔[۳۹]

۳۴- الآلوسی، **روح المعاني**، ۴۴:۱۔

۳۵- محمد بن عیسی الترمذی (المتوفی: ۲۷۹ھ)، **سنن الترمذي**، ت، شاکر، کتاب أبواب القراءات، باب فی فاتحة الکتاب (مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)، ۵: ۱۸۵، عَنْ امِّ سَلَمَةَ، وَلَيْسَ اسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ لِانَّ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ، رَوَى هَذَا الحَدِيثَ عَنْ ابْنِ ابِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ، عَنْ امِّ سَلَمَةَ۔

۳۶- ابو محمد عبد الرحمن بن محمد، الرازی ابن ابی حاتم (المتوفی: ۳۲۷ھ)، **الجرح والتعدیل** (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، ۱۲۷۱ھ/ ۱۹۵۲م)، ۶: ۱۴۰۔

۳۷- ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی (المتوفی: ۳۰۳ھ)، **الضعفاء والمتروکون** (حلب: دار الوعي، ۱۳۹۶ھ)، ۱: ۱۹۱۔

۳۸- محمد بن احمد الذہبی، **سیر أعلام النبلاء** (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء)، ۳: ۴۸۔

۳۹- ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی: ۷۷۴ھ)، **اختصار علوم الحدیث**، ت، احمد محمد شاکر (بیروت: دار الکتب العلمیة، س ن)، ۵۷۔

اس حدیث کے متعدد طرق اور شواہد کا جائزہ لینے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح اور سنن کی صریح احادیث کے مخالف ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سننے والے صحابی سند سے غائب ہیں اس لیے سند مقطوع ہے، اور سب سے بڑھ کر اس سند کے ایک راوی محمد بن ہارون بلخی جمہور محدثین کے ہاں اپنی علمی ثقاہت کا لوہا منوانے میں کامیاب نہیں ہوسکے، اور بری طرح مجروح قرار دیے گئے، جیسا کہ سطور بالا میں گزر چکا ہے۔ اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اس طرز کی روایات کو دلیل بنا کر، کسی بھی آیت کو کسی سورت کا جز نہیں قرار دیا جاسکتا، خاص کر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا۔ یہی موقف امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ان دلائل و براہین کی بنا پر راجح قرار پاتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بسم اللہ کے سورۂ فاتحہ کا جز ہونے کے دلائل میں یہ حدیث بھی لکھی ہے۔ عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فاتحة الكتاب سبع آيات أولاهن بسم الله الرحمن الرحيم۔[۴۰] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں ان میں سے پہلی بسم اللہ ہے۔ سنن اور صحاح میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت موجود نہیں، اور اگر موجود ہو بھی تو اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن ہونے کے اعتبار سے بسم اللہ بھی دیگر آیات ہی کی طرح ہے۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب آپ سورہ فاتحہ پڑھیں تو تبرک کے لیے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔

اسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے ساتھ الحمد شریف پڑھا کرتے تھے۔[۴۱] امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے ضعف کو ثابت کرنے کے بعد کہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے بھی، بسم اللہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا، ہم تو بسم اللہ کے سورۂ فاتحہ کا جز ہونے کا انکار کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی مستند دلیل نہیں ہے اور یہی دراصل موضوع بحث بھی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف روایت بطور دلیل ذکر کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت کہاں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بسم اللہ ہے۔[۴۲] امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

۴۰- الرازي، **التفسير الكبير**، ۱: ۱۷۳۔

۴۱- نفس مصدر، ۱: ۱۷۳۔

۴۲- نفس مصدر، ۱: ۱۷۴۔

نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ موقوفات صحابہ سے کسی آیت کی توقیفی جگہ متعین نہیں کی جاسکتی۔

علاوہ ازیں، امام رازی کی پیش کردہ یہ تینوں احادیث ضعیف ہونے کی وجہ سے امام رازی کے موقف کو کم زور کر دیتی ہیں، جس سے امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔

بسم اللہ کے سورۂ فاتحہ کا جزنہ ہونے کے دلائل

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی، میں نماز مکمل کر کے آیا اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ نے قرآن میں ارشاد نہیں فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بلائیں ان کا جواب دو؟ پھر ارشاد فرمایا: میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی ایک عظیم ترین سورت سکھاؤں گا۔ پھر میرا ہاتھ تھام لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے یاد دہانی کرائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي.. وہ عظیم ترین سورت الحمد للہ ہے جو سبع المثانی کہلاتی ہے۔[۴۳]

اس حدیث میں محل استدلال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو الحمد للہ سے شروع کیا ہے نہ کہ بسم اللہ سے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں۔

امام مسلم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعظیم کی ہے۔ اور ایک مرتبہ تو فرمایا: میرے بندے نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور بندہ جو مانگے گا اسے ملے گا اور جب وہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ...﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور بندہ جو مانگے گا اسے ملے گا۔[۴۴]

۴۳- محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری الجعفی، **الصحیح البخاري**، ت، محمد زہیر بن ناصر الناصر، کتاب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی فاتحة الکتاب (قاہرہ: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، ۶: ۱۷، رقم: ۴۴۷۴۔

۴۴- المسلم، **الصحیح**، کتاب الصلوة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة، ۱: ۲۹۶، رقم: ۳۹۵۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ الحمد سے شروع ہوتی ہے اور بسم اللہ کے بغیر اس کی سات آیات ہیں۔ **صحیح مسلم، سنن أبي داود** اور **سنن النسائي** میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "صلّيت خلف النّبيّ ﷺ وأبي بكرٍ، وعمر، وعثمان، فكانوا يستفتحون بالْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِينَ، لا يذكرون (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) في أوّل قراءةٍ ولا في آخرها." (۴۵) (میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے یہ تمام حضرات الحمد للہ سے نماز شروع فرمایا کرتے تھے، بسم اللہ کو نہ تو شروع میں پڑھتے اور نہ ہی اختتام پر۔) مسلم کی دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "صلّيت مع رسول الله ﷺ وأبي بكرٍ، وعمر، وعثمان، فلم أسمع أحدًا منهم يقرأ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)" (۴۶) (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے میں نے ان میں سے کسی سے بسم اللہ کو نہیں سنا۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام مسلم اور ابو داود نے روایت کیا ہے: "كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد الله رب العالمين." (۴۷) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر اور الحمد للہ سے شروع کیا کرتے تھے۔) **سنن ترمذی** اور **سنن نسائی** میں حضرت عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے: "صليت مع النبي ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان، فلم أسمع أحدا منهم يقول: (بسم الله الرحمن الرحيم)." (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے میں نے ان میں سے کسی سے بسم اللہ کو نہیں سنا۔) (۴۸) **صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن ترمذی** اور **سنن نسائی** میں حضرت عبد اللہ بن مغفل کے بیٹے سے روایت ہے: "سمعني أبي وأنا

۴۵۔ *نفس مصدر*، كتاب الصلوة، باب حجة من مال قال لايجهر بالبسملة، ۱: ۲۹۹، رقم: ۳۹۹۔

۴۶۔ *نفس مصدر*، ۱: ۲۹۹، اور امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز الحمد للہ سے شروع کیا کرتے تھے، كتاب الأذان، باب مايقول بعد التكبير، ۱: ۱۴۹۔

۴۷۔ المسلم، **الصحيح**، كتاب الصلوٰة، باب يجمع صفة الصلوة وما يفتتح به، ۱: ۳۵۷۔

۴۸۔ **سنن الترمذي**، ابواب الصلوة، با ماجاء فی ترک الجهر (بسم الله الرحمن الرحيم)، ۲: ۱۳۔

أقول: بسم الله الرحمن الرحيم، فقال: أي بنيّ، إياك والحدث، فقد صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ومع أبي بكر، ومع عمر، ومع عثمان، فلم أسمع أحدا منهم يقولها، فلا تقلها، إذا أنت صليت، فقل: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[۴۹] (میں نماز میں اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتا تھا۔ والد گرامی نے سنا تو فرمایا: اے بیٹے نئی باتوں سے بچو! میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے بسم اللہ کو نہیں سنا، تو آپ بھی باآواز بلند نہ پڑھا کریں۔ جب نماز شروع کریں تو الحمد للہ شروع کیا کریں۔ جب بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں تو نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے اس کا پڑھنا بھی واجب نہیں، البتہ دیگر دلائل کی بنا پر سنت ہے۔)

ترجیح

مصحف کی موجودہ ترتیب، وحی الٰہی کی رہ نمائی اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے تحت عمل میں آئی ہے اور بسم اللہ کی کتابت بھی اسی ترتیب کا ایک حصہ ہے۔ اس ترتیب میں جہاں تک بسم اللہ کے لکھے جانے کی نوعیت کا تعلق ہے تو سورۂ فاتحہ اور غیر سورۂ فاتحہ میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر سورت کے آغاز میں اس کو ایک ہی طرح، فاصلے اور تبرک کے لیے درج کیا گیا ہے۔ اگر بسم اللہ سورۂ نمل کے علاوہ بھی قرآن کا جز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرماتے، اس لیے کہ قرآن تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اس لیے قوی مذہب قرائے مکہ کا معلوم ہوتا ہے۔ بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی جملہ احادیث بھی اسی موقف کی تائید کرتی ہیں۔

۴۹- ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی: ۲۴۱ھ)، **مسند الإمام أحمد بن حنبل**، ت، شعیب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون، إشراف: د عبد اللہ بن عبد المحسن التركي (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء)، ۳۴: ۱۷۵؛ **النسائي**، ۲: ۱۳۵؛ **الترمذي**، ۲: ۱۴ اور ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے اور حضور ﷺ کے اہل علم صحابہ کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے؛ ان میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بعد کے تابعین مثلاً سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحق بن راہویہ بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ بسم اللہ دل میں پڑھی جائے گی۔

علاوہ ازیں جمہور مفسرین کا جھکاؤ اسی طرف ہے اس بارے میں مفصل تحقیق، احناف کی نمائندہ تفسیر **التحریر والتنویر** میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔[۵۰]

استدراک کا اثر

احناف کے نزدیک بسم اللہ، سورۂ فاتحہ اور ان تمام سورتوں، جن کا یہ افتتاح کرتی ہے، کا جز نہیں اور نماز کی تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ سے قبل آہستہ آواز سے پڑھنا، سنت ہے۔[۵۱] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں "بسم اللہ" سورۂ برأت کے علاوہ تمام سورتوں کا جز ہے۔ اس لیے نماز میں سورہ فاتحہ سے قبل اس کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صرف سورۂ فاتحہ کا جز ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔اس لیے نماز میں سورۂ فاتحہ سے قبل بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسم اللہ نہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی اور سورت کا، اس لیے بحالت نماز اس کو باآواز بلند پڑھنا واجب نہیں۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک اور استدراک

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا...﴾[۵۲] میں **آمنا** کا مطلب ہے ہم دل کے خلوص کے ساتھ آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کی دو دلیلیں ہیں: پہلی یہ کہ زبان کا اقرار تو پہلے ہی معلوم تھا، اس کے بتانے کی حاجت نہ تھی اصل میں مشکوک دل کا اخلاص تھا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس سے مراد اخلاص ہے۔[۵۳]

۵۰- تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد طاہر ابن عاشور، **التحریر والتنویر** (بیروت: مؤسسة التاريخ العربي، ۱۴۲۰ھ)، ۱: ۱۴۰۔

۵۱- زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (م ۹۷۰ھ)، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق** (قاہرہ: دار الكتاب الإسلامي، ۱۹۹۴ء)، کتاب الصلاة، باب آداب الصلاة، ۱: ۳۳۰۔

۵۲- القرآن ۲: ۱۴۔

۵۳- الرازی، **التفسیر الکبیر**، ۲: ۳۰۸۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے منافقین کی چال بازی مراد ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تو ایمان دار ہیں اس سے ایک طرف تو خبث باطن اور دھوکے سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے محفوظ رکھتے اور دوسری طرف مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے اور امام رازی کا یہ سمجھنا کہ اس سے مراد ان کا اخلاص ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔[۵۴]

تجزیہ اور مناقشہ

اخلاص کا تعلق ایمان سے ہے اور نفاق ضد ایمان ہے یہ آیت منافقین کی صفات کے سیاق میں ہے۔ پس قرآن کریم منافقوں کی نشانی بیان کرتا ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾[۵۵] اور دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا...﴾[۵۶] سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ آیت کے آخری کلمات ہیں: إنما نحن مستهزؤن، (ہم تو ان کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے۔) اکثر مفسرین نے اس آیت کی یہی تشریح کی ہے۔ امام ابو جعفر الطبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو دھوکہ دینے کی دوسری مثال بیان فرمائی ہے۔"[۵۷]

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں منافقین کا مومنوں اور منافقوں کے ساتھ دوغلی پالیسی والا معاملہ تشت از بام کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ابی بن کعب اور اس کے دوستوں کا مسلمانوں کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہوا تو رئیس المنافقین ابن ابی بولا دیکھو! میں انھیں کیسے بے قوف بناتا ہوں۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بولا: اے بنی تیم کے سردار خوش آمدید! آپ شیخ الاسلام، غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ آپ نے اپنی جان اور مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر بولا: بنی عدی کے سردار، فاروق، اور قوی دین کے مالک خوش آمدید! ۔ آپ نے اپنی جان اور مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ پھر حضرت

۵۴- الآلوسی، **روح المعاني**، ۱: ۱۵۸۔

۵۵- القرآن ۳: ۱۱۹۔

۵۶- القرآن ۲: ۱۴۔

۵۷- الطبری، مصدر سابق، ۱: ۲۹۶۔

علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر بولا: "اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اور بنو ہاشم کے سردار خوش آمدید!"[۵۸] یہ تمام تفاسیر امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید کرتی ہیں اس طرح امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استدراک میں صائب ہیں۔"

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر پر بے شمار استدراکات ہیں، طوالت کے خوف سے، ہم نے ان ہی چند ایک پر اکتفا کیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیر کبیر پر استدراکات

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر **تبیان القرآن** میں جہاں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا اعتراف کرتے ہوئے استفادہ کیا ہے۔ وہیں سو کے لگ بھگ استدراکات بھی کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ استدراکات میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح اور کچھ میں مرجوح ہے۔ ذیل میں چند ایک استدراکات بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

یہود کی تحریف کے متعلق امام رازی کا مؤقف

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿**وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**﴾[۵۹] کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں: "كيف يمكن إدخال التحريف في التوراة مع شهرتها العظيمة بين الناس؟" تورات جیسی مشہور زمانہ کتاب میں تحریف کیسے ممکن ہے؟ البتہ تحریف کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بہت شاذ و نادر ہو اور بہت کم ہوا ہو اور وہ بھی اس حد تک کہ الفاظ کو توڑ موڑ کر عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انھیں گمراہ کیا جاسکے۔ میرے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت کے متعلق دلائل کو دقت نظر کے بغیر سمجھنا مشکل ہے ان دلائل نبوت میں شکوک و شبہات ڈال کر عوام الناس کو دھوکہ دیا جاتا تھا جسے تحریف کا نام دیا گیا ہے۔[۶۰]

۵۸- ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی (م ۶۸۵ھ)، **أنوار التنزيل وأسرار التأويل**، ت، محمد عبد الرحمن المرعشلی (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۱۸ھ)، ۱: ۴۷۔

۵۹- القرآن ۳: ۷۸۔

۶۰- الرازی، **التفسیر الکبیر**، ۸: ۲۶۸۔

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر امام رازی کا محاسبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت اور جلالت قدر کے ہم معترف ہیں اس کے باوجود ہم ان کی اس تحقیق سے اختلاف کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے ، بعض اوقات الفاظ بدل دیتے ، بعض اوقات اپنی طرف سے عبارت بنا کر کہتے: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور بعض اوقات وہ آیات کو چھپا لیتے یا تورات سے سرے سے ہی حذف کر دیتے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تورات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف شراب پینے اور زنا کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ اس میں کوئی عاقل شک نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ تورات میں تھا لیکن اب نہیں ہے۔"[۶۱]

تجزیہ اور ترجیح

تحریف کا معنی کلام کو بدلنا یا اسے اپنے مقام سے لفظاً یا معناً ہٹا دینا ہے جیسا کہ ابو بکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔[۶۲] کتاب مقدس میں تحریف کے موجود ہونے پر علما کا اجماع ہے۔ البتہ تحریف کے طریقہ کار پر علما کا اختلاف ہے۔ کچھ نے کہا کہ الفاظ میں تبدیلی نہیں کی گئی بلکہ اس کے معنی و مفہوم کو بدل دیا گیا۔ بعض نے کہا کہ بعض مقامات پر تحریف ہوئی ہے، جب کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہود نے لفظاً و معناً تبدیلی مختلف انداز سے کی ہے مثلاً کلمات کی تقدیم و تاخیر سے، حروف کو تبدیل کر کے، الفاظ کو کم یا زیادہ کر کے، کلام ربانی کو چھپا کر، اور حق میں لفظاً و معناً شکوک و شبہات پیدا کر کے۔ تحریف کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اصل نص کو باقی رکھتے ہوئے تاویل باطل کے ذریعے اس کا مفہوم کچھ سے کچھ بنا دیا جائے جیسا کہ یہود ، زانی کا منہ کالا کر کے، بازاروں میں گھمایا کرتے تھے حالاں کہ تورات میں اس کی سزا رجم موجود تھی۔ چناں چہ کتب سابقہ میں ان تحریفات کی موجودگی پر، قرآن حکیم میں کافی دلائل موجود ہیں۔ ذیل میں چند آیات طیبات بطور مثال درج کی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ **اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ**

۶۱- سعیدی، **تبیان القرآن**، ۲: ۲۲۰۔

۶۲- محمد بن ابی بکر ابو عبد اللہ، زین الدین، الرازی، الحنفی (۶۶۶ھ)، **مختار الصحاح**، ت، الشیخ یوسف محمد (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، الدار النموذجیۃ، ۱۹۹۹ء)، ۷۰۔

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (۶۳)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ (۶۴)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى﴾ (۶۵)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ﴾ (۶۶)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (۶۷)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ... يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ (۶۸)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ...﴾ (۶۹)

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ... تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ (۷۰)

قرآنی حقائق کے مطابق محققین نے بھی اس حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ چناں چہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **الفصل في الملل والأهواء والنحل** میں لکھا ہے: مکمل جانچ پڑتال کے بعد ہم نے سابقہ کتب میں کئی اعتبار سے تحریف کو پایا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار، کہیں بیٹوں اور بیٹیوں کو اللہ کی طرف منسوب کرنا ، کہیں پیغمبروں کی شان میں گستاخیاں، کہیں فرشتوں کی تنقیص، کہیں تاریخ کا مسخ اور جھٹلانا، کہیں داخلی تناقضات اور کہیں خالق کو مخلوق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ اتنا واضح ہے کہ ایک نظر دیکھنے سے سب پر عیاں ہو سکتا

۶۳- القرآن ۲: ۷۵۔

۶۴- القرآن ۲: ۷۹۔

۶۵- القرآن ۲: ۱۵۹۔

۶۶- القرآن ۵: ۱۵۔

۶۷- القرآن ۵: ۱۳۔

۶۸- القرآن ۵: ۴۔

۶۹- القرآن ۵: ۴۳۔

۷۰- القرآن ۶:۹۱۔

ہے۔[۷۱]

مشہور مفسر محمد عبدہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:"والتحقيق الذي عليه العلماء الذين عرفوا تاريخ القوم واطلعوا على كتبهم التي يسمونها (الكتاب المقدس) التوراة والإنجيل هو أن التحريف اللفظي والمعنوي كليهما واقعان في تلك الكتب ماله من دافع، وأنها كتب غير متواترة." [۷۲]

تاریخ کا علم رکھنے والے محققین کی رائے یہ ہے کہ کتاب مقدس میں ہر دو طرح کی تحریف: تحریف لفظی اور معنوی موجود ہے اور یہ کتب غیر متواترہ ہیں۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ شیخ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب مقدس میں ہر قسم کی تحریف موجود ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

استدراک کا اثر

اس جامع بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرآن واحد ایسی کتاب ہے، جو تحریف اور تبدیل سے محفوظ ہے کیوں کہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے پر ہے، جب کہ دیگر مقدس کتب، تاریخ کی دست برد، اپنوں کی تحریف اور باطل تاویل سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔

۲- انبیا علیہم السلام کی تحلیل و تحریم کے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

ارشاد باری تعالیٰ:﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ ﴾ [۷۳]

ہر کھانے والی چیز بنی اسرائیل پر حلال تھی سوائے ان چیزوں کے جنھیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے لیے حرام قرار دیا تھا۔

۷۱- علی بن حزم، ابو محمد، الاندلسی، الظاهری، القرطبی (م ۴۵۶ھ)، **الفصل في الملل والأهواء والنحل** (قاہرہ: مكتبة الخان جي، ۱۳۴۸ھ)، ۱: ۹۴۔

۷۲- محمد رشید بن علی رضا، خلیفہ القلمونی الحسینی (م ۱۳۵۴ھ)، **تفسير القران الحكيم (تفسير المنار)** (قاہرہ: الهيئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۹۰ء)، ۶: ۲۳۴۔

۷۳- القرآن ۳: ۹۳۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کھانے والی چیز بنی اسرائیل پر حلال تھی جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لیے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحلیل و تحریم، تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ثابت ہوتی ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیسے انھیں حرام قرار دے دیا؟[۷۴]

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس پر استدراک قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا کہ نبی کو تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں؟ قابل غور ہے۔

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

بعض اختیارات اللہ تعالیٰ اپنے اولوالعزم انبیا کو بھی سونپ دیتا ہے۔ اس بات کی تائید اس قول ربانی سے ہوتی ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾[۷۵] یعنی وہ نبی پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دے گا اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دے گا۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لیے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔

تجزیہ اور ترجیح

سب سے پہلے ہم اس آیت کا شان نزول اور پس منظر پیش کرتے ہیں۔

شان نزول اور پس منظر

علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:

نَزَلَتْ حِينَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَا عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ» فَقَالَتِ الْيَهُودُ:فَكَيْفَ وَأَنْتَ تَأْكُلُ لُحُومَ الْإِبِلِ وَأَلْبَانَهَا؟ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ذَلِكَ حَلَالٌ لِأَبِي إِبْرَاهِيمَ وَنَحْنُ نُحِلُّهُ»

۷۴- جمہور مفسرین کے نزدیک اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

۷۵- القرآن ۷: ۱۵۷۔

فَقَالَتِ الْيَهُودُ: كُلُّ شَيْءٍ أَصْبَحْنَا الْيَوْمَ نُحَرِّمُهُ فَإِنَّهُ كَانَ مُحَرَّمًا عَلَى نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ حَتَّى انْتَهَى إِلَيْنَا، فَأَنْزَلَ اللهُ ذَلِكَ تكْذِيبًا لَهُمْ. (۷۶)

جب نبی ﷺ نے فرمایا میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے یہ کہ کر جھٹلایا کہ ملت ابراہیم میں تو اونٹنیوں کا گوشت اور دودھ حرام تھے اور آپ تو حلال سمجھتے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے باپ ابراہیم پر حلال تھا اس لیے میں اس کو حلال گردانتا ہوں۔ یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم سے ہی حرام چلی آرہی ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور تکذیب کے لیے یہ آیات طیبات نازل فرمائیں۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ: حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْيَهُودِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْأَلُكَ عَنْهَا، لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ، فَكَانَ فِيمَا سَأَلُوهُ أَيُّ الطَّعَامِ حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ قَبْلَ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ؟ قَالَ: «فَأَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ إِسْرَائِيلَ يَعْقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا فَطَالَ سَقَمُهُ، فَنَذَرَ لله نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللهُ مِنْ سَقَمِهِ، لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ، وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ، فَكَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ، لُحْمَانُ الْإِبِلِ، وَأَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانُهَا؟» فَقَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. (۷۷)

مسند میں امام احمد بن حنبل حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: یہود کی ایک جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: اے ابوالقاسم! آپ ہمیں چند ایسی چیزیں بتائیں جنھیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے جو سوالات کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ تورات کے نازل ہونے سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے کس چیز کو اپنے لیے حرام قرار دیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر نازل کیا، کیا تمھیں علم ہے کہ یعقوب بہت سخت بیمار ہو گئے۔ جب ان کی بیماری لمبی ہو گئی تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں اس بیماری سے شفا دے دے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے محبوب مشروب اور من پسند کھانے کو ترک کر دیں گے اور ان کی محبوب غذا اونٹ کا گوشت اور محبوب مشروب اونٹنیوں کا دودھ تھا۔ تو یہودیوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔

اب ہم اس آیت پر وارد ہونے والے ایک اعتراض اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب اور اس جواب پر، شیخ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے استدراک کا جائزہ لیتے ہیں۔

مفسرین نے اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جب انسان اپنے لیے کسی چیز کو حرام قرار دے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے حرام کر دیتا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ انھوں نے اپنے نفس کی تہذیب

۷۶- ابوحیان، **البحر المحیط**، ۳: ۲۶۲۔

۷۷- احمد، **مسند**، ۴: ۲۷۷۔

اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ایسا کیا تھا۔ ان کے اس کھانے کے ترک کرنے کو حرمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ تعبیر عرفی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ حلت و حرمت صرف اللہ ہی کے اختیار میں اس کے سوا کوئی اس کا مجاز نہیں۔ ہاں ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مستقل بالذات شارع ہے البتہ کچھ انبیاو رسل اللہ تعالیٰ کی نیابت میں جزوی حلت و حرمت کا اختیار رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ اس طرح وہ اشکال زائل ہو جاتا ہے اور حضرت یعقوب کی حرمت اللہ تعالیٰ ہی کی حرمت قرار پائے گی۔[۷۸] اس عمل کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ انھیں شہد میں پانی ملا کے پینا بہت پسند تھا لیکن نفس کی تہذیب و تزکیہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شہد ملا پانی نہیں پیا کرتے تھے۔ بہت سے زہاد سے اس قسم کے معمولات منقول ہیں۔ اسے تحریم عرفی تو کہا جا سکتا ہے البتہ شرعی تحریم کہنا درست نہیں۔ اس طرح شیخ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک درست اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا تکملہ معلوم ہوتا ہے۔

۳- امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موت کی تمنا کے متعلق سوال اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر یہود یہی مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیتے کہ اگر تم اسلام کے دین حق ہونے اور دخول جنت کے مدعی ہو تو کرو موت کی تمنا! حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہوا ہے؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان فرق ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتے ہیں کہ مجھے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا ہے اور میرا فرض ابھی ناتمام ہے؛ اس لیے میں موت کی آرزو نہیں کر سکتا۔ جب کہ تمھارا معاملہ اس طرح نہیں، سو اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کر کے اپنی سچائی کا ثبوت فراہم کرو!۔[۷۹]

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا اس جواب پر استدراک

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب درست نہیں، کیوں کہ یہودی بھی یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارا دین عالمی ہے اور ابھی تو

۷۸- سعیدی، **تبیان القران**، ۲: ۲۵۳۔

۷۹- الرازی، **التفسیر الکبیر**، ۳: ۶۰۷۔

ہم نے تورات کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے اور ابھی تک ہمارا کام بھی مکمل نہیں ہوا اس لیے ابھی ہم مرنے کو تیار نہیں۔ اس کا درست جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ہمارا دعوی ہی نہیں کہ جنت میں صرف نبی ﷺ کے پیروکار جائیں گے بلکہ ہر نبی کے سچے پیروکار جنت میں جائیں گے۔ تو اس سیاق میں یہ سوال صرف اور صرف یہود سے ہی ممکن ہے کہ وہ ہی در اصل اکیلے جنت کے دعوے دار تھے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے سے منع فرمایا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات، جنت اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کی ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ لکل مقام مقال۔[۸۰]

تجزیہ اور ترجیح

یہود یہ سمجھتے تھے کہ چوں کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، جنت میں یہود و نصاری کے سوا کوئی نہیں جائے گا اور جہنم کی آگ چند دنوں سے زیادہ انھیں نہیں چھوئے گی اس کے بعد ہمیشہ وہ جنت میں رہیں گے۔ یہ باتیں بتا کر اہل عرب پر اپنی برتری کی دھاک بٹھاتے اور اہل عرب کو آپ ﷺ کی پیروی سے روکا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم باطل کو طشت از بام کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[۸۱] اگر تم اپنی مزعومہ باتوں میں سچے ہو اور اپنے سچا ہونے کا گھمنڈ ہے تو پھر کرو موت کی آرزو! تاکہ مرنے کے بعد ان ابدی نعمتوں تک پہنچ سکو۔

پھر ساتھ ان کی اصلیت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾[۸۲] کہ یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے کیوں کے انھوں نے بہت برے اعمال کیے ہوئے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (موت کی تمنا تو کجا) یہ تو ساری دنیا سے بڑھ کر زندگی کے حریص ہیں۔ اور مشرکین تو صرف ایک ہزار سال جینا چاہتے ہیں، جب کہ یہ بدبخت تو اس معاملے میں ان سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ اس قماش اور خصلت کے لوگ کیوں کر اللہ کے محبوب ہو سکتے ہیں؟ اللہ کے محبوب تو وہ ہیں جو

۸۰- سعیدی، **تبیان القران**، ۱: ۴۵۵۔

۸۱- القرآن ۲: ۹۴۔

۸۲- القرآن ۲: ۹۵- ۹۶۔

اللہ کے حکم کے مطابق ہر وقت جان، جان آفریں کے حوالے کرنے کے لیے اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوتے ہیں۔

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کے برحق اور یہود کے باطل ہونے کی حجت قائم کی ہے جس میں ان کے دعاوی باطلہ کا رد کیا ہے۔ اب ایک دعوی یہود کا ہے اور ایک دعوی قرآن کا ہے۔ یہود کو اپنے دعوی کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کے دعوی کی تردید کرنا لازم تھا۔ اس نادر موقع سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ موت کی آرزو کر لیتے اور ثابت کر دیتے کہ ہم ہی اللہ کے محبوب ہیں اور ہم ہی جنتوں کے وارث ہیں۔ ہمیں موت سے کیا باک، مر کر ہی وہاں پہنچنا ممکن ہے تو آجائے موت!۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کے دعاوی کا بطلان اور قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا حق ہونا واضح ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کا بطلان واضح کر دیا۔

اور دوسری بات کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ وَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ."(۸۳)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے لیے موت کی آرزو یا تمنا کرنا قطعاً مشکل نہیں تھا۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: " مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ" (۸۴) (جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند فرماتا ہے۔)

سب سے بڑھ کر یہ کہ موت ایسا پل ہے جو ایک محبوب کو اس کے بچھڑے ہوئے محبوب سے ملاتا ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے محبوب ہیں کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اس دنیا اور آخرت کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللَّهُمَّ أَنْتَ الرَّفِيقُ الْأَعْلَى (۸۵) اے اللہ تو ہی میرا سب سے بڑا رفیق ہے

۸۳– البخاری، **الصحیح**، كِتَابُ التَّمَنِّي، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَنِّي، وَمَنْ تَمَنَّى الشَّهَادَةَ، ۹: ۸۲، رقم: ۷۲۲۷۔

۸۴– نفس مصدر، كِتَاب الرِّقَاقِ، بَاب مَنْ احَبَّ لِقَاءَ...اللهُ لِقَاءَهُ، ۸: ۱۰۶۔ رقم: ۶۵۰۷۔

۸۵– ابو یعلی احمد بن علی بن المُثنی بن یحیی بن عیسی بن ہلال التمیمی، الموصلی (المتوفی: ۳۰۷ھ)، **مسند أبي يعلى الموصلي**،

۔ رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہاں یہود سے موت کا مطالبہ کیا جارہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصائب و آلام سے ڈر کر موت کی تمنا کرنے کو شریعت نے غلط قرار دیا اور اس سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں یہود سے موت کا مطالبہ اس لیے کیا ہے تا کہ ان کے دعاوی باطلہ کا رد کیا جائے۔ اس بحث و تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف درست اور صحیح ہے۔

نتائج بحث اور تجاویز

- ان تینوں تفاسیر: **مفاتيح الغيب، روح المعاني** اور **تبيان القرآن** کے مطالعے سے ان مفسرین کی عبقری شخصیات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں، ایک ایک شخص نے پوری جماعت کا کام کیا ہے۔ ان کی ساری زندگی، اسلامی ورثے کی حفاظت کے لیے وقف تھی۔ یہ کتب ہمیں بھی تعلیم و تعلّم کی رغبت دلاتی ہیں۔
- یوں تو امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے استدراکات بے شمار تھے لیکن مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ان میں سے چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔ استدراکات کا نتیجہ مختلف رہا ہے بعض اوقات امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح رہا اور کبھی امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال راجح رہے۔
- اس سے ان ائمہ کے قوت اجتہاد کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کی بے لوث خدمت کا پتہ چلتا ہے۔
- ان استدراکات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان کا اختلاف خواہشات نفسانی یا کسی مذہب کے تعصب کی بنا پر نہیں تھا۔
- متأخرین مفسرین خاص کر امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ان اہم مصادر میں سے ایک ہے جس پر مفسرین اعتماد کرتے ہیں۔
- ان استدراکات سے ہمیں علما کے اختلاف کرنے کا انداز معلوم ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ناگزیر ہو تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیے اور کس طرح اہل علم و فضل ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کے باوجود بھی ادب و احترام سے پیش آتے ہیں۔

ت، حسین سلیم اسد (دمشق: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ) ۷: ۴۳۶۔

- اس سے ہمیں یہ بھی علم ہوا ہے کہ ہر اختلاف اصلی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات لفظی نزاع بھی ہوتا ہے اس لیے مسائل کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- ان استدراکات کا مطالعہ کرنے سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کتب تفسیر، کتب حدیث وغیرہ کی تنقیح کی ضرورت ہے۔ ان میں ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں جس سے استفادے کا عمل بہت مشکل ہو جاتا ہے۔
- جامعات میں ان کتب کی تنقیح و تصحیح پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیق کروا کر معیاری اور محقق کتب کو شائع کرنے کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ اس سے جہاں طالب علم کی علمی استعداد میں اضافہ ہو گا وہیں پر علمی ورثے میں بھی نکھار آئے گا۔
- اس طرح کا کام دیگر مفسرین کی کتب پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ایک طرف طالب علم کی علمی صلاحیتوں میں نکھار آئے گا تو دوسری جانب بہت سی کتابیں کم زور اقوال و آرا سے پاک ہو جائیں گی۔

والله المستعان، وعليه التكلان.